حبش اور مسلمانوں کے تعلقات

عمر فاروق مودودی

(۳)

حروبِ صلیبیہ اور حبش جس زمانے میں حبشہ میں یہ انقلاب آیا، اس سے قبل دنیا ایک اور انقلاب سے دوچار ہو چکی تھی۔ ہماری مراد صلیبی جنگوں سے ہے جن کا سلسلہ ۱۰۹۶ء سے لے کر ۱۲۹۱ء تک جاری رہا۔ صلیبی جنگوں میں اگرچہ مسیحی حبشہ نے کوئی حصہ نہیں لیا، تاہم وہ ان سے بالکل لاتعلق بھی نہیں رہا۔ تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں مصر کے قبطی عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد نے السلطان الکامل ناصرالدین ایوبی کے خلاف شاہِ حبشہ لالیبلا سے پناہ طلب کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حبشہ کی مسیحی سلطنت بھی پوری طرح اس مذہبی تعصب سے سرشار تھی، جس نے تمام مغربی یورپ کو اپنے آپس کے اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کی مسیحی دنیا میں یوحنا پادری کے زیرِ قیادت جس ایمپائر کے قیام کا خواب دیکھا جا رہا تھا۔ اس میں مملکتِ حبشہ بھی شامل تھی۔ اور سینٹ یوئس کی خواہش تھی کہ کسی طرح اپنے لشکرِ جرار سے مسیح کے تمام دشمنوں کو کچل ڈالے اور حبشیوں کے لیے بیت المقدس کی زیارت کا راستہ صاف کر ڈالے۔

جب صلیبی جنگوں کی آگ بجھ گئی تو یورپ کے مسیحی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو اس طرزِ فکر کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتا تھا جو صلیبی جنگوں کے آغاز کا سبب بنا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح صلیبی جنگوں کے ایک نئے سلسلے کی تمہید باندھی جائے۔ دوسرا گروہ دوبارہ جنگ کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔ ان کے خیال میں صلیبی عزائم کو بروئے کار لانے کے لیے قوت اور تشدد کا استعمال مناسب نہیں تھا۔ جہاں تک یورپ کا تعلق تھا، وہاں سیاسی اور مذہبی حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی

کہ محض مذہب کے نام پر اب وہاں کوئی تحریک کھڑی کرنی مشکل تھی۔ البتہ حبشہ میں ایسے اسباب پیدا ہو گئے جنہوں نے مذہبی تعصب کو دوگنا چوگنا کر دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تیرھویں صدی میں حبش تارکینِ وطن قبطی عیسائیوں کا ملجأ و ماوی بنا ہوا ہے اور نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ تمام مسیحی دنیا کو یہ باور کرا رہا ہے کہ وہ مسیحی ایمپائر کا مرکز اور تمام مسیحیوں کا مرجع ہے، جس کے فرمانروا یوحنا کی قیادت میں وہ اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھیں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں حبشہ کے تخت پر جو بادشاہ بھی بیٹھتا ہے وہ اپنے لیے ایک مسیحی لقب اختیار کرتا ہے۔ مثلاً شاہ لالیبلا نے اپنے لیے جبر مسقل یعنی عبدالصلیب کا لقب پسند کیا تھا۔ دوسرے چند بادشاہوں کے القاب یہ تھے، ناکوالآب یعنی آسمانی باپ کا شکر، نوای کرستوس یعنی مسیح کا ظرف یا آلۂ کار، بئید مریم یعنی فدائے مریم، بلناد بُخل یعنی مریم عذرا کا لوبان وغیرہ وغیرہ۔ یہی زمانہ ہے جب حبشہ کے لاٹ پادری کو جو مصری الاصل قبطی ہوتا تھا، ملک میں غیر معمولی اقتدار نصیب ہوا۔ شاہانِ حبش تمام مذہبی اور سیاسی امور میں لاٹ پادری پر انحصار کرنے لگے۔

گردوپیش کی مسلم ریاستوں سے حبش کی کشمکش ان حالات میں یکونو املاک اور اس کے جانشینوں کا مسلم دشمن ہونا محلِ تعجب نہ تھا۔ مزید برآں ملک کی عیسائی آبادی پہلے سے مسلمانوں کے خلاف نفرت اور عناد کے جذبات سے معمور تھی۔ اب ان کے دل جیتنے کے لیے ضروری تھا کہ نئے بادشاہ پرانے بادشاہوں سے بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف دشمنی کا مظاہرہ کریں۔ چنانچہ یکونو املاک نے تخت نشین ہوتے ہی قرب و جوار کی مسلمان ریاستوں[1] پر بھرپور حملہ کر دیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس مہم میں اسے

[1] مشرقی افریقہ میں بحرِ ہند اور بحرِ احمر (خلیج عدن) کے ساحل پر بلادِ سومال اور اریٹیریا واقع ہیں۔ بلادِ سومال وہی علاقہ ہے جسے یورپ کی استعماری طاقتوں برطانیہ، فرانس اور اطالیہ نے برطانوی سومالی لینڈ، فرانسیسی سومالی لینڈ اور اطالوی سومالی لینڈ میں بانٹ لیا تھا۔ اس ملک کا کل رقبہ تین لاکھ ستر ہزار مربع میل ہے جس میں سے ایک لاکھ مربع میل کا علاقہ اس وقت حبشہ کے قبضہ میں ہے۔ باقی علاقہ آزاد ہو چکا ہے اور سومالیہ کہلاتا ہے۔ بلادِ سومال اور اریٹیریا میں عرب تارکینِ وطن کی آمد قدیم زمانہ سے جاری تھی۔ مختلف عوامل کے تحت عرب مہاجرین اپنے وطن چھوڑ کر اریٹیریا اور بلادِ سومال میں جا کر آباد ہوتے رہے۔ یہ لوگ زیادہ تر تاجر، ماہی گیر اور ملاح تھے۔ اریٹیریا

بُری طرح ناکامی ہوئی اور شدید جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا بلکہ اُلٹا انہوں نے جوابی حملہ کر کے حبشی شہروں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ لیکن دوسری طرف مسلمان سلطنتوں کا رعب اور دبدبہ اتنا تھا کہ جب ایک دفعہ مصر کے مملوک سلطان الملک الظاہر بیبرس نے ایک سفارت شاہ حبشہ یکونو املاک کے پاس بھیجی تو شاہ حبشہ اپنی مشغولیتوں کی وجہ سے سفارت کو فوراً ملاقات کا وقت نہ دے سکا۔ سفارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰) کے مقابلے میں بلادِ سومال میں عرب مہاجرین زیادہ تعداد میں آکر آباد ہوتے اور انہوں نے ساحلی علاقے میں اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں۔ ان ریاستوں میں زیلع اور مقدشو کی ریاستیں زیادہ مشہور ہوئیں۔

مقدشو کی ریاست دسویں صدی عیسوی میں قائم ہوئی۔ تیرھویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں ابو بکر بن فخرالدین نے یہاں دولتِ وراثیہ قائم کی۔ ابنِ بطوطہ نے ۱۳۳۱ء میں اس سلطنت کی سیاحت کی اور مختصر حالات لکھے۔ اس خاندان کے زیر سایہ مقدشو کی ریاست نے بڑا عروج حاصل کیا۔ ۱۴۸۹ء میں پرتگالیوں نے اس ریاست پر حملے کیے لیکن ناکام رہے۔ سترھویں صدی عیسوی میں یہاں سلطان مظفر برسرِ اقتدار آیا۔ اس زمانہ میں سومالی قبائل نے اس ریاست پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا جس نے اس ریاست کو بڑا ضعف پہنچایا۔ اٹھارویں صدی میں امام عُمان سیف بن سلطان نے خاص شہر مقدشو پر حملہ کیا۔ اس کے بعد اس علاقے پر اطالویوں نے قبضہ کر لیا اور مقدشو کا شہر اطالوی سومالی لینڈ کا صدر مقام بن گیا۔

زیلع کی سلطنت کا پتہ تاریخ میں تیرھویں صدی عیسوی میں چلتا ہے۔ مقریزی کے قول کے مطابق حجاز کے قریش کی ایک جماعت نے اس سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ دراصل یہ سلطنت سات چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا مجموعہ تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی میں جب شاہ حبش یکونو املاک اور اس کے جانشینوں نے ان ریاستوں پر حملے کرنے شروع کیے تو انہوں نے شاہانِ حبش کے مقابلے کے لیے آپس میں اتحاد کر کے ایک وفاق بنا لیا اور زیلع اس کا صدر مقام قرار پایا۔ ان ساتوں ریاستوں کا یہ وفاق مسلمان مورخین میں اقلیم الطراز الاسلامی کے نام سے مشہور ہے۔ شروع شروع میں تو ان ریاستوں نے عزیمت سے کام لیا اور شاہانِ حبش کی چیرہ دستیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے لیکن جب ان میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی تو یہ وفاق ٹوٹ گیا اور یہ لوگ شاہانِ حبش کے باجگزار ہو گئے یہاں تک کہ ان ریاستوں کے سلاطین کا عزل و نصب بھی شاہانِ حبش کے اختیار میں آ گیا۔ پھر جب ترکوں نے مصر فتح کر لیا تو خاص زیلع کا شہر یمن کے ترکی گورنر کے زیرِ انتظام آ گیا۔ اس کے بعد انیسویں صدی میں یہ سارا علاقہ برطانوی نو آبادی بن گیا۔

میں تاخیر ہونے پر الملک الظاہر بیبرس ناراض ہو گیا۔ اس کی اس ناراضگی کی اطلاع جب شاہ حبش کو پہنچی تو اس نے بڑی لجاجت کے ساتھ بیبرس کو خط لکھا اور بڑی عاجزی کے ساتھ درگزر کی درخواست کی اور اس خط کو براہِ راست بیبرس کے پاس بھیجنے کے بجائے یمن کے گورنر کو واسطہ بنایا کہ وہ اس کا خط بیبرس کے پاس پہنچا دے۔ یہ ۱۲۷۳ء کا واقعہ ہے۔

چودھویں صدی عیسوی آتے آتے یہ صورتِ حال بڑی حد تک تبدیل ہو گئی۔ اب سلاطینِ مصر کے نام شاہانِ حبش کے خطوط کا لہجہ سخت ہو گیا اور وہ انہیں دھمکیاں تک دینے لگے۔ اسی زمانے میں حبشہ اور اس کے اردگرد کی مسلمان ریاستوں کے درمیان عداوت شدت پکڑ گئی۔ تاہم شاہانِ حبش کی چیرہ دستیوں نے مسلمان ریاستوں کے عوام کے جذباتِ غیرت کو بیدار کر دیا اور وہ علمِ جہاد لے کر اٹھ کھڑے ہوتے اور مسلسل تین صدیوں تک خونیں جنگوں کا سلسلہ جاری رہا جس نے حبش کی دولتِ سلیمانیہ کی کمر توڑ کر رکھ دی۔

پندرھویں صدی میں مملکتِ حبشہ کا ایک بہت بااثر رئیس اور فوجی سردار جس کا نام حرب جوش بتایا جاتا ہے مسلمان ہو گیا اور ایک عرب امیر سعد الدین کے پاس چلا گیا۔ حرب جوش کے اسلام نے مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچائی۔ مملکتِ حبشہ کے بہت سے اعیان و اکابر یا تو مسلمان ہو گئے یا انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ پھر حرب جوش نے سعد الدین کے بیٹے جمال الدین کے زمانے میں شاہانِ حبش کے صدر مقام امہرہ پر حملہ کیا۔ اس حملے میں اتنی کثرت سے قیدی ہاتھ لگے کہ ایک حبشی غلام کی قیمت ایک انگوٹھی رہ گئی۔ اس زمانے میں اہلِ امہرہ نے کثرت سے اسلام قبول کیا۔[۱]

---

[۱] جہاں تک حبشہ میں اشاعتِ اسلام کا تعلق ہے، یہ بات ثابت ہے کہ مسیحی شاہانِ حبش کی تمام تر کوششوں کے باوجود اسلام بتدریج حبشہ میں پھیلتا چلا گیا۔ چنانچہ ۱۲۷۳ء میں یکونو املاک شاہ حبش نے جو خط الملک الظاہر بیبرس کو بھیجا تھا اس میں منجملہ دوسری باتوں کے یہ بھی لکھا تھا کہ اس کی فوج میں ایک لاکھ مسلمان سواروں کا رسالہ ہے۔

ترک اور حبش ۱۵۱۶ء میں سلطان ترکی سلیم اوّل نے مرج دابق کے معرکے میں مصر کے آخری مملوک سلطان قانصوہ الغوری کو شکست دی اور اپنے کمانڈر سنان پاشا کو عرب ممالک پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا۔ سنان پاشا نے تمام عرب ممالک کو زیر کیا اور تمام شہروں میں ترک گورنر مقرر کر دیئے۔ بحر احمر کی عربی بندرگاہیں بھی ترکوں کے تصرّف میں آگئیں۔ دوسری جانب افریقی ساحل پر بھی ترکوں نے اپنا تسلط جما لیا۔ افریقی ساحل پر ترکوں کا یہ تسلط حبشہ اور عرب ریاستوں کے لیے بیک وقت تشویش کا باعث بن گیا۔ جہاں تک عرب ریاستوں کا تعلق تھا ان کا معاملہ تو نسبتاً آسان تھا، کیونکہ ترک ان کے دینی بھائی تھے۔ دوسری طرف خود ترک بھی یہ محسوس کرتے تھے کہ افریقی عربوں کے ساتھ مفاہمت کرنے سے افریقہ میں ان کے لیے تجارت کی راہیں کھل جائیں گی۔ چنانچہ عرب ریاستوں نے تو فوراً ترکوں کی بالادستی قبول کر کے انہیں اپنا سرپرست بنا لیا۔ پھر اس کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ ترکوں نے بحر احمر پر اپنا کنٹرول قائم رکھنے کے لیے زیلع کے جزیرے پر قبضہ کر کے وہاں اپنا بحری بیڑا متعین کر دیا تھا۔ بہر حال عرب ریاستوں کو ترکوں کے سامنے نیازمندی ظاہر کرنے میں ہی عافیت نظر آئی۔ رہے اہلِ حبشہ تو ان کی مشکل دوہری تھی۔ ایک طرف وہ مسیحی تھے اور مسلمانوں کو وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے، اس لیے مفاہمت کے امکانات کم تھے۔ اور دوسری طرف وہ اپنے آپ کو فوجی طاقت میں ترکوں کا مدِمقابل نہیں پاتے تھے کیونکہ حبشی فوج کے پاس ابھی تک تیر کمان اور نیزے تھے جبکہ ترک افواج جدید ترین اسلحہ اور جنگی وسائل سے لیس تھیں۔ اس مشکل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حبشہ کی ملکہ ایلینی نے جو قائم مقام بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کر رہی تھی شاہ پرتگال کو اپنی مدد کے لیے بلایا کیونکہ وہ بحرِ ہند میں پرتگالیوں کی فتوحات کا شہرہ سُن چکی تھی۔

۱۵۲۵ء میں ملکہ ایلینی کا انتقال ہو گیا اور لبنا دنگل خود مختار حکمران ہو گیا۔ ادھر ترکوں نے پرتگال اور حبشہ کے اتحاد اور حبشہ میں پرتگال کے بڑھتے ہوئے اثرات کو اپنے لیے خطرہ سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے ریاست زیلع کے تخت پر احمد جرانی کو بٹھایا اور ترکی پاشا حاکم زبید کو اس کی مدد کرنے کا حکم دیا۔ شریف مکہ نے بھی ایک امدادی فوج بھیج دی۔ غرض ان تیاریوں کے ساتھ احمد جرانی نے ۱۵۲۸ء میں حبشہ پر حملہ کر دیا

اور ایک ایک کرکے حبشہ کے مختلف شہر فتح کرتا رہا۔ جنگ کا یہ سلسلہ ۱۵۴۳ء تک جاری رہا۔ اس تمام عرصے میں شاہِ حبشہ مسلمان فوجوں کے آگے آگے شہر بہ شہر بھاگتا رہا۔

حبشہ میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اس حملے کے زبردست اور ہمہ گیر اثرات پڑے! احمد جرانی خود ایک پادری کا بیٹا تھا جو ترکِ وطن کرکے زیلع میں آباد ہو گیا تھا اور اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لیے جب اس نے حبشہ پر حملہ کیا تو حبش زعماء کی ایک بڑی تعداد اپنے اتباع کے ساتھ اس سے آملی اور اسلام قبول کر لیا۔ ان نومسلم زعماء نے حبشی فوجوں کو داخلِ اسلام کرنے کے لیے اپنے ذاتی اثرات استعمال کیے اور ان کو اسلام کی طرف راغب کرنا چنداں مشکل بھی نہ تھا کیونکہ یہ لوگ مسیحی عقائد سے یکسر جاہل تھے۔ اس کے علاوہ اس حملے سے قبل جو مسلمان حبشہ میں آباد تھے انہوں نے احمد جرانی کے حملے کو غنیمت جانا اور اخلاص کے ساتھ تبلیغ میں لگ گئے۔ بہرحال ان کوششوں کے نتیجے میں صرف حبشی لشکر کے بیس ہزار سپاہی اپنے بال بچوں سمیت مسلمان ہو گئے۔

حبش میں مسلمانوں کی سیاسی پسپائی | ۱۵۴۰ء میں لبنا دنجل مر گیا اور اس کا بیٹا جلاودیوس تخت پر بیٹھا۔ اس نے پرتگالیوں کی مدد سے اپنا چھنا ہوا ملک واپس لینے کی کوشش کی۔ چنانچہ ۱۵۴۳ء میں ایک جنگ کے دوران احمد جرانی ایک پرتگالی سپاہی کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ احمد جرانی کے بعد اس کا ایک رشتہ دار امیر نورالدین اس کا جانشین ہوا اور اس نے ۱۵۵۹ء میں جلاودیوس کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ اس طرح ملک میں پیہم ایک کشمکش جاری رہی اور شاہانِ حبش یکے بعد دیگرے پرتگالیوں کی مدد سے اپنا کھویا ہوا اقتدار واپس لینے کی کوشش کرتے رہے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو جو غلبہ و استیلاء حاصل ہو گیا تھا، آہستہ آہستہ وہ اس سے محروم ہوتے چلے گئے۔

حبش میں اشاعتِ اسلام | سیاسی میدان میں مسلمانوں کی اس پسپائی کو عقیدہ و ایمان کے میدان میں اسلام کی پسپائی کے مترادف قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اسلام قدیم زمانے سے آہستہ آہستہ ملک میں نفوذ کرتا جا رہا تھا۔ البتہ احمد جرانی کے حملے نے اس کی رفتار تیز کر دی تھی۔ ملک میں مسلمان تاجروں کی آمد و رفت مسلسل رہتی تھی اور وہ حبشی عوام کو بکثرت داخلِ اسلام کرنے میں کامیاب

ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ عرب مبلّغین تھے جو سینکڑوں کی تعداد میں وقتاً فوقتاً شمالی مشرقی افریقہ میں آتے رہتے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پندرھویں صدی میں حضر موت سے چوالیس عرب مبلّغین کی ایک جماعت افریقہ پہنچی اور بربرہ کی بندرگاہ پر اُتر کر یہ لوگ اطراف و جوانب میں پھیل گئے۔ ان میں سے ایک صاحب جن کا نام شیخ ابراہیم ابوذربامی تھا ۱۴۳۰ء کے قریب کے زمانے میں حبشہ کے شہر ہرر میں پہنچے اور دعوت و تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ ان کا مزار آج بھی اس شہر میں مرجع خلائق ہے۔

مبلّغینِ اسلام کی یہ مساعی حبش کی عیسائی مملکت میں جس حد تک کامیاب رہی تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ شاہ حبش فاسیلداس (۱۶۳۲ - ۱۶۶۷) کے عہد میں ملک کے عیسائی عناصر کی جانب سے بادشاہ پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اسلام کی تعلیم کے لیے یمن سے معلّمین بلوائے ہیں۔ قبولِ اسلام کے متعلق تو کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ حقیقت ہے کہ شاہ فاسیلداس نے ۱۶۴۸ء میں امامِ یمن المؤید باللہ کو خط لکھا کہ وہ اسلام کی دعوت کے لیے ایک مشن بھیجے۔ لیکن امامِ یمن نے کسی کو نہ بھیجا۔ پانچ سال کے بعد اس نے پھر ایک خط لکھ کر مشن بھیجنے کی درخواست کی۔ چنانچہ امام یمن نے ایک تبلیغی وفد بھیج دیا جو کچھ عرصہ وہاں رہ کر واپس آ گیا۔

مسلمان باشندوں کے خلاف معاندانہ کارروائیوں کا آغاز

حبشہ میں اسلام کی روز افزوں اشاعت سے آخر کار مسیحی عناصر خطرہ محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ شاہ حبشہ یوحنس الاول (۱۶۶۷-۱۶۸۲) نے اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال ایک مجلس منعقد کی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ عیسائیوں کے قریب نہ رہیں بلکہ ان سے دُور جا کر آباد ہوں۔ پھر ۱۶۷۸ء میں اس حکم کی تجدید کی گئی۔

اب تک حبش کی مسیحی سلطنت نے صرف ان مسلمانوں کے خلاف معاندانہ کارروائیاں کی تھیں جو حدودِ حبشہ سے باہر آباد تھے اور جن کو وہ اجنبی قرار دیتے تھے۔ لیکن اندرونِ ملک میں رہنے والے مسلمانوں سے کبھی کسی نے تعرض نہیں کیا تھا۔ یوحنس الاول پہلا بادشاہ ہے جس نے مسلمانانِ حبش کو معاندانہ کارروائیوں کا ہدف بنایا۔ اور پھر دوسرے بادشاہوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

ملک کی مسلمان آبادی کے خلاف شاہانِ حبش کو جس چیز نے سب سے زیادہ بھڑکایا وہ یہ تھی کہ بعض حبشی زعماء باوجود عیسائی ہونے کے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ روشن مثال راس علی کی تھی جو بیجا مدر کا حاکم اور بادشاہ کا نائب تھا۔ تھیوڈر شاہ حبشہ (۱۸۵۵ء-۱۸۶۸ء) سے پہلے دو ڈھائی سال ملک میں عملاً راس علی ہی کا راج تھا۔ وہ اگرچہ خود عیسائی تھا، تاہم مسلمانوں کے ساتھ غیر معمولی ہمدردی رکھتا تھا۔ حکومت کے مناصب پر اس نے کثرت سے مسلمانوں کو مقرر کر رکھا تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں سلطنتِ حبشہ کے وسطی علاقوں کی نصف کے قریب آبادی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی تھی۔ ان سب امور کا ردِ عمل اس شدید ظلم و ستم کی صورت میں ظاہر ہوا جو شاہ تھیوڈر نے مسلمانوں پر ڈھایا۔

مسلمان رعایا کے خلاف شاہانِ حبش کے غیظ و غضب کو برانگیختہ کرنے میں دوسرا جو عامل کارفرما ہوا وہ مصر اور حبشہ کے باہمی جھگڑے تھے۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مصر اور حبشہ کے تعلقات کبھی بھی خوشگوار نہیں رہے تھے تاہم اس سے پہلے کبھی جنگ و جدل کی نوبت بھی نہیں آئی تھی جس کے دو سبب تھے۔ پہلا سبب تو یہ تھا کہ مصر میں یکے بعد دیگرے جو خاندان برسرِ اقتدار آتے رہے وہ اس قدر طاقتور تھے کہ شاہانِ حبش ان سے زور آزمائی کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ حبشہ کا لاٹ پادری مذہبی روایت کے طور پر اسکندریہ سے آیا کرتا تھا۔ اس لیے حبشہ کو طوعاً و کرہاً مختلف ادوار میں مصری حکومتوں سے اپنے تعلقات خوشگوار رکھنے پڑتے تھے۔ لیکن چونکہ دل میں تلخی موجود رہتی تھی اس لیے جونہی کوئی کمزور حکمران مصر میں آتا تھا یا مصر کے سیاسی حالات دگرگوں ہوتے تھے تو فوراً ہی حبشی حکومت کا رویہ سخت ہو جاتا تھا۔

۱۸۶۴ء میں جب ترکوں نے اریٹریا کی بندرگاہ مصوع خالی کر دی اور مصریوں نے ان کی جگہ لے لی تو مصر اور حبشہ کے تعلقات نے ایک نئی کروٹ لی۔ مصوع میں پاؤں جمانے کے بعد مصری شمالی، جنوبی اور مغربی حبشہ کی طرف بڑھے اور مختلف مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد خدیو مصر اسمٰعیل پاشا نے حبشہ پر حملہ کرنے کے لیے مصوع کے راستے ایک فوج بھیجی۔ ۱۷ر نومبر ۱۸۷۵ء کو یوحنّس رابع

شاہِ حبش نے جدا جدی کے معرکے میں اس فوج کو شکست دے دی - چند ماہ بعد خدیو مصر اسمٰعیل نے اپنے بیٹے حسن پاشا کی قیادت میں ایک اور مہم بھیجی مگر اسے بھی ۷ رمارچ ۱۸۷۶ء کو معرکہ جورا میں ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا -

اسلام - ایک "خلافِ قانون" مذہب | اگرچہ مصر نے یہ حملے کسی مذہبی تعصّب کی بنا پر نہیں کیے تھے لیکن شاہ حبش یوحنس الرابع نے ان حملوں کو مذہبی رنگ دیا اور انہیں آڑ بنا کر ۱۸۷۸ء میں حبشی کلیسا کے ارکان کی ایک مجلس بلائی - اس مجلس میں امورِ مذہبی کے لیے ایک قانون کا اعلان کیا گیا، اور فیصلہ کیا گیا کہ تمام ملک میں ایک ہی مذہب ہونا چاہیے - چنانچہ تمام عیسائی فرقوں نے سوائے یعقوبیوں اور ان عیسائیوں کے جو قدیم زمانے سے حبشی کلیسہ کے پیرو کار تھے دو سال کی مہلت مقرر کی کہ اس کے بعد وہ سب ایک قومی کلیسا کے مذہب پر متفق ہو جائیں گے - مسلمانوں کے لیے تین سال اور بت پرستوں کے لیے پانچ سال کی مدت مقرر کر دی گئی کہ اس عرصے میں وہ اپنے مذہب سے دست بردار ہو کر قومی کلیسا کو تسلیم کر لیں -

اقتصادی دباؤ | اس قانون کے نفاذ کے چند روز بعد شاہ یوحنس نے ایک آرڈی ننس کا اعلان کیا جس کی رُو سے تمام مسلمان سرکاری ملازمین کو نوٹس دیا گیا کہ اگر تین ماہ کے اندر انہوں نے بپتسمہ قبول نہ کیا تو انہیں ان کے مناصب سے برطرف کر دیا جائے گا - اس آرڈی ننس کے نفاذ کے بعد جو سرکاری ملازمین جبری بپتسمہ لینے پر آمادہ ہو بھی گئے ان کی حالت یہ تھی کہ کلیسا میں بپتسمہ دیئے جانے کے بعد فوراً ہی یہ لوگ مسجد کی جانب لپکتے تھے اور علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تاکہ بپتسمہ کے اثرات کی تلافی ہو سکے - مزید برآں اس آرڈی ننس میں صرف مردوں کا ذکر کیا گیا تھا، اس لیے عورتیں اس جبری بپتسمہ سے محفوظ رہیں اور یہ چیز اسلام کی حفاظت کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن گئی بلکہ اس نے آرڈی ننس کی ساری غرض و غایت ہی کو ختم کر کے رکھ دیا -

جبری بپتسمہ کی مہم | اقتصادی دباؤ کے ذریعے عیسائیت کے فروغ اور اسلام کی بیخ کنی کی کوشش کے نتائج جب خاطر خواہ نہ نکلے تو شاہ یوحنس نے ۱۸۸۰ء میں جبری بپتسمہ دینے کی ایک ملک گیر

مہم چلائی جس کے دوران پچاس ہزار حبشی مسلمانوں کو بپتسمہ لینے پر مجبور کیا گیا۔ اسی طرح ایک بُت پرست قبیلے کے بیس۲۰ ہزار افراد اور دوسرے قبیلے کے پانچ لاکھ افراد کو عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔ جو مسلمان کسی طرح عیسائیت قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے انہیں مار کھدیڑ کر ان کے علاقوں سے نکال دیا گیا اور وجوہ معاش سے محروم کر دیا گیا۔ ۱۸۸۳ء میں سیرای اور حماسین کے مسلمانوں نے بصد مشکل اس شرط پر اپنے علاقوں میں رہنے کی اجازت حاصل کی کہ وہ عیسائیوں کی آبادیوں سے دُور اپنی بستیاں بسائیں گے۔

مہدی سوڈانی کی تحریک اور حبش | ایک طرف حبشہ میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے یہ پہاڑ ٹوٹ رہے تھے جس کے نتیجے میں سینکڑوں کی تعداد میں حبشی مسلمان ہجرت کر کے سوڈان پہنچ رہے تھے اور دوسری طرف سوڈان میں مہدی سوڈانی کی تحریک تیزی کے ساتھ کامیابی کی منازل طے کرتی جا رہی تھی۔ مہدی سوڈانی نے ۱۸۸۱ء سے لے کر ۱۸۸۵ء تک یکے بعد دیگرے کردفان، دارفور، بحر الغزال، سنار اور خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ حبشہ میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ مہدی سوڈانی وہی مہدیٔ منتظر ہے جو لوگوں کو کفر اور ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لیے آیا ہے۔ اس خیال کا پھیلنا تھا کہ بے شمار حبشی مسلمان ہجرت کر کے مہدی سوڈانی کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ ان مہاجرین میں ایک شخص محمد جبریل بھی تھا جس کا شمار حبشہ کے زعماء میں ہوتا تھا۔ چنانچہ مہدی نے حبشی عیسائیوں میں اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں میں مہدویت کے پرچار کے لیے محمد جبریل کو حبشہ بھیجا۔

حبشہ میں اس تحریک نے جلد ہی کامیابی حاصل کر لی۔ شاہ یوحنس کی سگی بہن نے اسلام قبول کر کے ایک مسلمان رئیس سے شادی کر لی۔ حبشی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس تحریک میں شامل ہو گئی اور شمالی القلابات میں عرادیب کے مقام پر انہوں نے ایک قلعہ تعمیر کر کے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ اس اثناء (۱۸۸۵ء) میں مہدی کا انتقال ہو گیا اور تعایشی اس کا خلیفہ ہوا۔ تعایشی نے حبشی مہدویوں پر محمد فقرا کو امیر مقرر کر کے اسے حبشہ کے اطراف پر حملہ کرنے

کا حکم دیا۔

القلابات کا علاقہ مہدوی تحریک کا بہت بڑا مرکز بن چکا تھا جس میں اس تحریک کے حامی مسلمان حبشیوں کی ایک کثیر تعداد آباد تھی۔ شاہ حبشہ کے لیے یہ ایک ایسا خطرہ تھا جس کو وہ کسی قیمت پر بھی نظر انداز کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ چنانچہ ایک طرف اس نے محمد فقرا کے حملوں کی روک تھام کے لیے سرحدی ملیشیا کا بندوبست کیا اور دوسری طرف خود القلابات پر حملہ کرنے کے لیے پے درپے فوجیں بھیجنی شروع کیں۔

اس طرح مہدویوں اور سلطنتِ حبشہ کے درمیان ایک مسلسل کشاکش شروع ہو گئی۔ کبھی حبشی فوجیں القلابات پر حملہ کرتیں اور مہدویوں کو نکال باہر کرتیں اور کبھی مہدوی آگے بڑھتے اور حبشی فوجوں کو شکستیں دیتے ہوئے نہ صرف القلابات خالی کرا لیتے بلکہ خود حبشی سرحدوں کے اندر گھس کر حبشی شہروں کو تباہ و برباد کر ڈالتے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا تا آں کہ ۱۸۸۹ء میں ایک زبردست معرکے کے بعد یوحنس شاہ حبشہ قتل کر دیا گیا اور اس کا سر تعایشی کے پاس ام درمان[1] بھیج دیا گیا۔ یوحنس کے قتل ہو جانے کے بعد منیلک دوم حبشہ کے تخت پر بیٹھا۔

حبش ایک نئے دَور میں یہاں سے حبشہ ایک نئے دَور میں داخل ہوتا ہے۔ کیونکہ پورا برّاعظم افریقہ اب یورپ کی استعماری طاقتوں کے نوآبادیاتی نظام کی تجربہ گاہ بن چکا تھا۔ جس یورپین ملک نے سب سے پہلے افریقی برّاعظم میں دلچسپی لی وہ پرتگال تھا۔ پرنس ہنری جو شاہ جان اول کا بیٹا تھا اپنے دل میں پرتگال کے لیے افریقہ کے نامعلوم حصّوں کو حاصل کرنے کا بے پناہ جذبہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کی تحریک اور ہدایت پر افریقی براعظم کی دریافت کے لیے

---

[1] ام درمان سوڈان میں جنوبی دریائے نیل کے مغربی کنارے پر اس جگہ واقع ہے جہاں نیل ازرق اور نیل ابیض آپس میں ملتے ہیں۔ ام درمان اور سوڈان کے دارالسلطنت خرطوم کے درمیان ایک پُل کا فاصلہ ہے۔ یہ شہر مہدی سوڈانی کا وطن اور اس کی تحریک کا مرکز تھا۔

پے درپے کئی بحری مہمیں بھیجی گئیں جن کے نتیجے میں ۱۴۸۰ء تک گنی کا تمام ساحلی علاقہ پرتگال کے زیر اثر آگیا۔ اگرچہ پرتگالی سیاح کانگو تک پہنچ چکے تھے۔ لیکن پرتگال نے اپنی سرگرمیاں گنی تک محدود رکھیں اور ساحل کے ساتھ ساتھ تجارتی کوٹھیاں اور جنگی قلعے تعمیر کرکے بڑے پیمانے پر سونے، ہاتھی دانت، مصالحہ اور غلاموں کی تجارت شروع کردی۔ سونے ہاتھی دانت اور غلاموں کی کشش ۱۵۵۳ء میں انگریز جہاز رانوں کو بھی افریقہ کھینچ لائی اور ان کے پیچھے پیچھے ہسپانوی، ڈچ، فرانسیسی، ڈینش اور اطالوی بھی پہنچ گئے۔ سترھویں صدی میں افریقہ کے ساحلی علاقے پر پرتگال کی برتری ہالینڈ کے پاس چلی گئی اور اٹھارویں صدی میں انگلینڈ اور فرانس کی صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ افریقی براعظم کی نو آبادیوں پر ان دونوں ملکوں کو پوری بالادستی حاصل ہوگئی۔ انیسویں صدی میں اس برّاعظم میں یورپین ممالک کی مسابقت و منافست اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

سیاہ اور سفید استعمار کا گٹھ جوڑ یہ وہ وقت ہے جب حبشہ کے تخت پر مینلک دوم بیٹھتا ہے، اور افریقہ کے اسٹیج پر جو ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا، اس میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ شمالی افریقہ میں اس وقت سب سے زیادہ مضبوط ملک حبشہ ہی تھا۔ اگرچہ اس کے ایک طرف سوڈان اور دوسری طرف بلاد سومال کے مسلم علاقے موجود تھے جنہیں ترکی کی سرپرستی حاصل تھی۔ لیکن یہ مرد بیمار اب خود اپنے وجود کی خیر منا رہا تھا۔ اس لیے افریقہ کے اس حصے میں یورپ کی مسیحی استعماری طاقتوں نے مسیحی حبشہ کو ہی درخور اعتنا سمجھا۔ چنانچہ ۲۶ اکتوبر ۱۸۹۶ء کو اٹلی اور حبشہ کے درمیان ایک معاہدۂ امن ہوا جس میں حبشہ کی خودمختار حیثیت کو تسلیم کیا گیا۔ اس کے بعد ہی رُوس کے تین مشن، فرانس کے دو مشن اور برطانیہ کا ایک مشن حبشہ پہنچا۔ یہ سب مشن حبشہ کے ساتھ اپنے اپنے مفادات کے لیے گفت و شنید کرتے رہے۔ آخرکار ۱۵ مئی ۱۸۹۷ء کو برطانیہ اور حبشہ کے درمیان ایک دوستانہ معاہدہ ہوگیا۔ ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۴ء کے درمیان حبشہ نے برطانیہ کو سومالی لینڈ میں "دیوانے ملا"[1] کو کچلنے کے لیے فوجی مدد دی اور چار مشترکہ مہمیں بھیجی گئیں۔

---

[1] بلادِ سومال میں یورپ کے استعماری عزائم کو ناکام بنانے اور اپنے ملک کی آزادی کی حفاظت [4]

۱۵ مئی ۱۹۰۲ء کو حبشہ اور برطانیہ کے درمیان سوڈان (جو برطانیہ کا غلام بن چکا تھا) اور حبشہ کی سرحد کے تعین کے لیے ایک اور معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے میں مینلک شاہِ حبشہ نے نیل کی آب پاشی میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ ۱۹۰۱ء میں حبشہ اور برطانیہ کی ایک مشترکہ مہم اس غرض کے لیے بھیجی گئی کہ وہ ایک طرف حبشہ اور دوسری طرف برطانوی مشرقی افریقیہ اور یوگنڈا کی سرحدیں تجویز کرے اور ان کا سروے کرے۔ اس کمیشن کی رپورٹ پر ۱۹۰۸ء میں دونوں ملکوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں سرحدوں کی تعیین کی گئی تھی۔ اس اثنا میں حبشہ پر یورپین اثرات برابر بڑھتے رہے اور یورپ کے بیشتر ممالک نے اپنے مستقل سفارتی نمائندے مینلک کے دارالسلطنت میں بھیج دیئے۔

حبشی امپیریلزم ایک طرف مینلک نے یورپ کی استعماری طاقتوں سے یوں گٹھ جوڑ کیا اور دوسری طرف اس نے اپنے چھوٹے سے ملک کو "ایمپائر" بنانے کے لیے اردگرد کی مسلمان ریاستوں

۴۔ کرنے کے لیے قبیلہ ہبر سلیمان کا ایک شخص محمد بن عبداللہ کھڑا ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے مہدی سوڈانی کی طرز پر ایک تحریک منظم کر لی۔ ۱۸۹۹ء میں اس نے برطانوی سومالی لینڈ پر حملے کرنے شروع کر دیے۔ محمد بن عبداللہ کی اس تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے بیک وقت برطانیہ، اٹلی اور حبشہ میدان میں آگئے اور برطانوی ایر فورس نے اس کی کمین گاہوں پر شدید بمباری کی۔ لیکن یہ مردِ حق برابر ڈٹا رہا اور اپنی گوریلا جنگ کے ذریعے استعماری طاقتوں کو مسلسل شدید جانی و مالی نقصان پہنچاتا رہا۔ نومبر ۱۹۱۴ء سے لے کر فروری ۱۹۱۵ء تک برطانوی سامراج نے اس کے بے شمار ساتھیوں کو جو درویش کہلاتے تھے پھانسیوں پر لٹکا دیا۔ ان تمام کوششوں کے باوجود محمد بن عبداللہ ۱۹۲۰ء تک سرگرم عمل رہا اور اس نے برطانوی مقبوضہ علاقے کے ایک بڑے حصے کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ آخر کار ۱۹۲۱ء میں اس کے انتقال کے ساتھ یہ تحریک ختم ہو گئی۔ برطانوی ڈپلومیسی نے اس محبِ وطن بطلِ حریت کو "دیوانے ملا" کا خطاب دے رکھا تھا۔

۵۔ ایتھیوپین شاہ مینلک دوم کو THE FOUNDER OF THE ETHIO-PIAN EMPIRE. کے نام سے یاد کرتے ہیں

کو یکے بعد دیگرے ہڑپ کرنا شروع کر دیا اور بلاشبہ یہ استعماری طاقتیں جو خود بڑے بڑے مسلمان ملکوں کی آزادی پر مختلف حیلوں بہانوں سے ڈاکے ڈال رہی تھیں چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کی آزادی چھیننے میں حبشہ کی پوری طرح ممد و معاون تھیں۔

مینلک نے جن مسلمان ریاستوں پر حملے کر کے انہیں اپنی سلطنت میں شامل کیا ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔ ہرار۔ ادسا۔ والو۔ جما۔ اروسی اور اوگیڈن۔ یہ ریاستیں موجودہ ایتھیوپین امپائر کے کل رقبے کا تین چوتھائی ہیں۔ اگرچہ ان ریاستوں نے اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لیے پوری جد و جہد کی لیکن ان کے تیر تلوار مینلک کے جدید ترین آتشیں اسلحہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مزید برآں ان ریاستوں کے اردگرد کے مسلم علاقے مصر، سوڈان، اریٹیریا اور بلاد سومال پہلے ہی اپنی آزادی کھو چکے تھے۔ بہر حال یہ مسلمان ریاستیں حبشی سامراج کے سامنے سرنگوں ہوگئیں اور سامراج نے ان میں لوٹ مار کے وہی مظاہرے کیے جو اس کی سرشت میں داخل ہیں۔ ناروے کا ایک معاصر مصنف جان بکالزر اپنی کتاب "جلے ہوئے چہروں کی سرزمین" میں ان حملوں کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

"ایک ٹڈی دل کی طرح وہ اور اس کی فوج ملک بھر میں جدھر سے گزری سب کچھ چٹ کر گئی۔ فوجیوں نے اپنے ساتھ اپنی عورتوں کو بھی لے لیا اور فوج کا عقب انہیں عورتوں پر مشتمل تھا۔ یہ عورتیں محکمہ رسد میں شامل تھیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ گھروں سے اندوختہ لے کر چلے تھے مگر وہ جلد ہی ختم ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ ویسے بھی مینلک اپنی فوج کو کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں دیتا تھا۔ جو کچھ وہ لوٹ مار کے ذریعہ حاصل کرلیں وہی ان کی تنخواہ تھی۔ جنگ کے دوران فوج کا عقب کچھ نہیں ہوتا تھا کیونکہ بہترین مال غنیمت اسی کے حصے میں آتا تھا جو سب سے آگے ہوتا تھا۔"

اس طرح موجودہ ایتھیوپین امپائر وجود میں آئی۔ مسلح فوجی دستوں نے تمام مفتوحہ علاقے میں

لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ زمینوں پر قبضہ کر لیا اور مالکوں کو غلام بنا لیا۔ مینلک نے اپنے نئے مفتوحہ علاقے کے لیے جو پالیسی وضع کی اس کا کچھ اندازہ ارنسٹ ڈبلیو لوتھر کی کتاب "آج کا ایتھوپیا" کے اس اقتباس سے ہو سکتا ہے۔

"پچھلی صدی کے اختتام پر شاہ مینلک دوم نے اپنی وسیع مہموں کے دوران بڑے بڑے رقبوں پر قبضہ کر لیا۔ ان میں سے بیشتر رقبوں کو تو اس نے اپنی ذاتی جاگیر میں داخل کر لیا اور باقیماندہ رقبوں میں سے کچھ اپنے دوست احباب کو دے دیئے اور کچھ وفادار فوجی افسروں کو۔ بچی کھچی زمین مفتوحین کے پاس رہنے دی گئی۔"

یہ کارروائیاں تو وہ تھیں جو ہوس ملک گیری کے تحت کی گئیں۔ مذہبی تعصب کی تسکین کی خاطر مفتوحہ مسلمان ریاستوں میں تمام اسلامی مدارس یک قلم بند کر دیئے گئے۔ ان کے اوقاف اور عطیات سب ضبط کر لیے گئے اور علماء اور شیوخ پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ تعلیم و تبلیغ کا کام چھوڑ دیں۔ جو باز نہ آئے انہیں جیل بھیج دیا گیا۔

۱۹۰۶ء کے سہ جماعتی معاہدے کے تحت مینلک نے انگلینڈ، فرانس اور اٹلی کو مفتوحہ مسلم علاقے میں خاص مراعات دیں۔ فرانس کو حبشہ کے دارالسلطنت ادیس ابابا سے فرانسیسی سومالی لینڈ کے صدر مقام جبوتی تک ریلوے لائن ڈالنے کی اجازت دی۔ فرانس نے اس ریلوے لائن کی تعمیر میں بیس سال تک مقامی مسلمان باشندوں سے جبری بیگار لی۔ اٹلی کو اپنی دو نوآبادیوں اریٹریا اور اطالوی سومالی لینڈ کو ملانے کے لیے درمیانی مسلم علاقے میں جو حبشہ کے قبضے میں ہے ایک پٹی دی گئی۔ (باقی)